وجود محض مطلق را همه جا هر زماں دیدم
بہر سوئے بہر کوئے صورت عیاں دیدم
هماں وحدت هماں کثرت زکثرت هم هماں وحدت
ولیکن اختلا فش درمیاں حکم آں دیدم
بنورش چوں مکمل شد نظر ظاهر از آں باطن
بصورت جمله عالم را جمال آں نشاں دیدم
ندیدم من مگر آں را که محض است درجہاں مطلق
فنا دیدم همه کس راچوں او را در میاں دیدم
یکے بینا یکے بیند دو بدن ناروا گوید
یکے را دو بد انستن کارا حولاں دیدم
یقینی اورا عیاں بیند اگر فانی شود از خود
فنا گشتی ازیں خوه رایکے آں عاشقاں دیدم
تجلی را نہایت چوں نبا شد در همه عالم
تجلۂ او میانِ هر کسان و نا کسان دیدم

زھے معنے کہ اندر فہم ناید ھیچگہہ پر من
زھے معنی بہرحرف وبہر نطق بیان دیدم
لازم شد برایں معنی حد و شش از عباد تہا
بہ ایں ھئیت ظہور آں حقیقت در جہاں دیدم
اگر رفتم بہ او رفتم اگر شستم بہ او شستم
ند یدیم ھیچ صورت را مگر اورا در آں دیدم
ھوالاول ھوا الآخر ھوا الظاھر ھو الباطن
ھماں زیروھماں زبر و ھمہ مظہر ھماں دیدم
ھزاراں شکربا ایں گشت لازم برمن مسکینی
کہ من آں دوست خود ھم آشکارا ونہاں دیدم

وحدت وکثرت

وجودِ مطلقہ کو ہم نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں دیکھا ہر طرف ہر گلی ہر صورت میں ظاہر دیکھا۔ہماری وحدت میں ہی کثرت ہے اور ہماری

کثرت میں ہی وحدت ہے یعنی وجودِ مطلقہ کثرت میں بھی ہے اور وحدت میں بھی ہے دیدارِ نور مکمل ہوتا ہے نظرِ ظاہر سے نظر باطن تک بلکہ یوں کہو یہ سارا جہاں عالم اس کا جمال ہی تو ہے اور اس کے جہانِ عالم کو میں دیکھ رہا ہوں انھیں دیکھتا میں مگر لیکن اسی کو جو اس جہانِ مطلق میں ہے اس میں سب فنا ہو رہے ہیں اسی فنا کے درمیان میں اسے دیکھ رہا ہوں ایک دیکھ رہا ہے ایک دیکھنے والا ہے ان ناروا باتوں میں کیا رکھا ہے کیونکہ اس کی ہستی ذات پاک ہر جگہ ظاہر ہے اور تمام عاشقوں کے وجود اس میں فنا ہیں اور اس میں فنا ہو کر اس کا دیدار کر رہے ہیں قلندرِ کبریا نے اس غزل میں بقا در فنا کی بات نہیں کی بلکہ فنا در بقا کی بات کی ہے یعنی جسے ہم بظاہر بقا کہہ رہے ہیں وہ فنا ہے اور اس عاشق کو ہم فنا سمجھ رہے ہیں جبکہ وہ معشوق کے بحر بے کراں میں فنا ہو کر بقا ہے اسی لئے مرزا غالب نے کہا تھا......

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔

انتہائے تجلی کو تو نہیں سمجھ رہا ان عالمین میں جبکہ تجلی کی شعاعیں ہر کس و ناکس پر پڑ رہی ہیں اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں اس کے معنی عقلِ ناقص اور ہیچ گو کی سمجھ سے باہر ہیں پس جگہ پر یا پستیوں میں پڑے افراد ان معنوں کی فہم نہیں رکھتے لیکن اس کے معنی ہر نطق میں بیان ہو رہے ہیں اور دیکھے جا رہے ہیں.

اور یہ لازم اور قطعی ہے کہ ان معنوں کی حدوں کی عبارتوں کو سمجھ کیونکہ انہی کی شکل انہی کا وجود یہی حقیقت اور انہی کا ظہور میں نے جہانوں میں دیکھا ہے اگر وہ چلتے ہیں تو وہ بھی چلتے ہیں اگر وہ بزرگ اعلیٰ ہیں تو ہر چیز ان کی گرفت میں ہے وہ بھی بزرگ اعلیٰ ہیں جس نے کوئی صورت نہیں دیکھی مگر صرف انہی کا دیدار کیا کیونکہ وہی اول ہیں وہی ظاہر وہی باطن ہیں وہی زیر وزبر ہیں وہی کُل مظہر ہیں جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں ہزاروں شکر ہیں کہ میں حالتِ مسکینی میں بھی اسی میں گشت کر رہا ہوں اور میرے محبوب میرے معشوق نے خود مجھے آشکار کیا تو میں اسے دیکھ رہا ہوں یعنی وہ میرے سامنے خود آشکار ہو گیا اور میں

اس کا دیدار کر رہا ہوں...قلندرِ کبریا نے اس غزل نے فلسفہ ہمہ اوست، وحدت و کثرت اور وحدت الوجود کے مسائل کی توضیح وتشریح کی ہے کیونکہ ہر وجود فنا ہے بغیر اس کے وجود کے اس کے وجود سے موجودات کی بقا ہے اور اگر یہ بقائے دائمی چاہے تو جان لے کہ موجوداتِ کل فانی ہیں ہر وجود کو فنا ہونا ہے اگر وہ اپنی بقا چاہتا ہے تو اس وجودِ مطلقہ میں فنا ہو کر بقا بن جائے...